# شعرالہند-مولانا عبدالسلام ندوی کی تنقیدی بصیرت کا شاہکار

ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج، رائے چوٹی، ضلع کڈپہ، آندھراپردیش

مولانا عبدالسلام ندوی (ولادت:۱۶؍فروری ۱۸۸۳ - وفات:۴؍اکتوبر ۱۹۵۶) دنیائے علم وادب کی ایک معروف شخصیت تھے۔ وہ دار المصنفین، اعظم گڑھ سے وابستہ ایک اہم ادیب، محقق اور نقاد تھے۔ وہ اپنے تحقیقی کارناموں اور گراں قدر تصانیف کے ذریعہ اپنا مقام رکھتے ہیں۔ ان کی اہم تصانیف میں ''اقبالِ کامل''، ''انقلاب الامم''، ''ابنِ یمین''، ''فقرائے اسلام''، ''سیرت عمر بن عبدالعزیز''، ''شعرالہند''، ''اسوۂ صحابہ''، ''اسوۂ صحابیات''، ''فطرتِ نسوانی''، ''التربیۃ الاستقلالیۃ''، ''تاریخ الحرمین الشریفین''، وغیرہ شامل ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی نے اردو تنقید کو اپنی دو کتابوں سے مالا مال کیا ہے۔ (۱) اقبال کامل (۲) شعرالہند- علاوہ ازیں مولانا عبدالسلام ندوی نے بے شمار مقالات اردو ادب کے مختلف پہلوؤں پر لکھے۔ آپ کے بہت سے تنقیدی مقالات اور مضامین ''مقالاتِ عبدالسلام'' میں شامل ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی کی کتاب ''اقبالِ کامل'' ان کتابوں میں سے ایک ہے جو علامہ اقبالؔ کے انتقال کے بعد، پہلے دہے میں شائع ہوئی تھیں۔ بلاشبہ اقبال کامل، اقبالیات کے ذخیرہ میں مستند مراجع کی کتابوں میں شامل کی جاتی ہے۔ ''اقبالِ کامل'' کو لکھنے کے لئے مولانا عبدالسلام ندوی نے غیر معمولی محنت کی تھی اور اس وقت تک کے دستیاب تمام مواد سے استفادہ کیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی عبدالسلام ندوی کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''آپ مولوی عبدالسلام کے حسنِ اخذ، ترتیب وتزئین، مطالب کا سلیقہ دیکھتے ہیں؟ صرف بغدادی کی ایک کتاب الفرق سے ایک اچھا خاصہ مضمون لکھ لیا۔ چوں کہ اس میں بعض نئی تفصیلات ملتی ہیں، اس لئے ہمیشہ یہ خیال ہوتا تھا کہ اس پر ریویو لکھا جائے۔ لیکن مولوی عبدالسلام نے ایک مستقل مضمون تیار کرلیا۔'' (معارف۔ نومبر ۱۹۳۵ء/ حوالۂ سابق ۳۴۹)

سید صباح الدین عبدالرحمٰن کا خیال ہے کہ مولانا عبدالسلام ندوی ایسے موضوعات کو پسند کرتے تھے جن میں وسعت ہو۔ شاید مولانا عبد السلام ندوی کو گاگر میں ساگر بند کردینا زیادہ پسند رہا ہو۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب کا جی ایسے موضوع کے لکھنے میں زیادہ لگتا جس میں پھیلاؤ زیادہ ہوتا۔ وہ پھیلی ہوئی چیز کو سمیٹنا خوب جانتے تھے۔ ان کی ''تاریخِ فقہِ اسلامی''، ''تاریخ التنقید'' اور ''تاریخِ اخلاقِ اسلامی'' اسی ذوق کا نتیجہ ہیں۔ ان کا جی کسی بادشاہ کی تاریخ لکھنے میں نہیں لگتا، لیکن وہ بادشاہت کی تاریخ بہت آسانی سے لکھ دیتے۔ انہوں نے صحابۂ کرام کے علاحدہ علاحدہ حالات تو نہیں لکھے، لیکن تمام صحابۂ کرامؓ کے اسوہ کو جمع کر کے دو جلدوں میں ایک ایسی مفید کتاب مرتب کردی کہ وہ آج دار المصنفین کی مقبول ترین تصانیف میں شمار کی جاتی ہے۔'' (حوالۂ سابق ص:۳۵۰)

مولانا عبدالسلام ندوی کے اسلوبِ نگارش کے بارے میں سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

''ان کی کتاوں میں جو سلیقہ، ترتیب اور نظم ہے، وہ کم لوگوں کی تصانیف میں نظر آئیں گی۔ وہ ہر باب میں ایک سرخی قائم کرتے اور پھر ذیلی اور بغلی سرخیوں کے ساتھ ہر مسئلہ کے لئے علاحدہ علاحدہ خانے تیار کرتے جاتے اور ان ہی میں سب کو بٹھاتے جاتے۔ اس طرح کہیں سے کوئی بات غیر واضح نہیں ہونے پاتی۔ اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ مولوی صاحب کی نجی زندگی میں تو کوئی ربط نظم نہیں، لیکن ان کی تحریر اسی خاص وصف کا مکمل نمونہ ہے۔ رشید احمد صدیقی صاحب کی زبانی میں نے کئی بار سنا کہ میں مولوی عبدالسلام صاحب کا اسی لئے قائل ہوں کہ وہ ادبی نکات و مباحث کو نمبر وار اصولوں اور منطقیانہ ترتیب کے ساتھ قلمبند کرتے ہیں، جن کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔'' (بزمِ رفتگان-حصۂ اول ص: ۳۵۰)

مولانا عبدالسلام ندوی کا شاہکار ادبی کارنامہ ''شعر الہند'' ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اردو ادب میں 'شعر الہند' کی انتقادی حیثیت مسلم ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، شبلی کالج میگزین کے مولانا عبدالسلام ندوی نمبر ۱۹۵۸ء میں لکھتے ہیں:

''وہ جب اردو شعر و شاعری پر لکھنے بیٹھتے تو ان کا قلم طاؤس کی طرح رقص کرنے لگتا، ان کی شعر الہند اردو زبان کی مایہ ناز تصانیف میں سے ہے، اور یہ اسی صف میں رکھے جانے کے لائق ہے، جہاں آبِ حیات، مقدمۂ شعر و شاعری اور شعر العجم رکھی جاتی ہے۔ آخر الذکر تینوں کتابوں کے علمی و ادبی پایہ کو کم کرنے کی خاطر خدا جانے کتنی قلمی یلغاریں ہوئیں، لیکن یہ پھر بھی اردو کے ادبِ عالیہ میں شمار ہو رہی ہیں۔ اسی طرح شعر الہند پر بھی تنقید و تنقیص کی چنگاریاں برابر برسائی جا رہی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنے میں تامل نہیں کہ یہ چمنستانِ اردو کا سدا بہار پھول ہے۔ خود مولوی صاحب کو اس کا احساس رہا کہ اس کتاب کو اپنے موضوع کے لحاظ سے مکمل نہیں کہا سکتا کہ انسان کا کوئی بھی کام مکمل نہیں۔ لیکن ہر زمانے میں اربوبِ نظر کو رم بابو سکسینہ مؤلف تاریخِ ادبِ اردو کی اس رائے کی تائید کرنی پڑے گی کہ:

''شعر الہند میں جو نظم اردو کی ایک مبسوط تاریخ ہے، ان اثرات و حالات جو مختلف اوقات میں نظمِ اردو پر مرتب ہوئے۔ مفصل اور نہایت کو بی سے بیان کیا گیا ہے۔ اپنی نوعیت میں یہ کتاب بہت عمدہ اور قابلِ تعریف ہے۔ اور اس کتاب کو تصنیف کر کے مصنف نے فی الحقیقت زبان اردو کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ یہ کتاب کارآمد اور مفید ضرور ہے اور اس میں خاص خاص باتیں ایسی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہی ملتیں۔'' (تاریخ ادبِ اردو، ص: ۷۵-۷۶)

''شعر الہند کی دونوں جلدیں ۹۰۴ صفحوں پر مشتمل ہیں۔ لیکن اس ضخیم کتاب میں شروع سے آخر تک تحریر کی ایسی یکرنگی، ہمواری اور روانی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کو خوش خرام قلم چلا تو چلتا گیا، کہیں رکا نہیں اور کسی موقعہ پر لکھتے وقت ان کے ذہن پر بار نہیں پڑا، اس لئے ان کی تحریروں میں لفظی کاریگری اور ادبی ملمع سازی نہیں، بلکہ ہر جگہ بڑی بے ساختگی، برجستگی اور سبک روی ہے۔ (بزمِ رفتگاں-حصۂ اول: ۳۵۱-۳۵۲)

''شعر الہند'' مولانا عبدالسلام ندوی کی اہم تصنیف ہے۔ مولانا کا تعارف ادبی حلقوں میں صاحبِ شعر الہند کی حیثیت سے ہے۔ اپنے موضوع، مواد اور متوازن تنقیدی آراء کی وجہ سے یہ مولانا عبدالسلام ندوی کی نمائندہ تصنیف ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بجا لکھا ہے کہ:

''شعر الہند'' کو امتیازی حیثیت اس لئے بھی حاصل ہے کہ اس کی اشاعت سے پہلے اردو میں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی، جس میں اردو شاعری اور اس کے مختلف اصناف کے ارتقاء پر علل و اسباب کی روشنی میں مبسوط مباحث ہوں۔ اور پھر ان مباحث میں فکر و فن کی جو دیدہ وری ہے، وہی دراصل سب سے قابلِ قدر چیز ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد اردو شاعری پر چھوٹی بڑی کتابیں نکلتی جا رہی ہیں۔ لیکن اس کو اولیت اس لئے حاصل ہے کہ اس میں جو مؤرخانہ اور مبصرانہ مباحث ہیں، وہ اس سے پہلے کسی اور کتاب میں نہیں ہیں۔ اور کوتاہ نظری کو راہ نہ دی جائے تو کہنا پڑے گا کہ شعر الہند اردو کی ان چند کتابوں میں ہے جن سے بعد کی نسلوں نے اردو شاعری پر مبصرانہ بلکہ ناقدانہ بحث کرنا سیکھا۔ (بزمِ رفتگاں: ص: ۱/۳۵۳)

مولانا عبدالسلام ندوی کی تنقیدی کتابوں میں سب سے اہم اور مشہور کتاب ''شعرالہند'' ہے۔شعرالہند کی پہلی جلد ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔ آپ نے اردو ادب میں اس وقت تک موجود تمام تذکروں اور تنقید کی سبھی کتابوں سے استفادہ کیا تھا۔ پروفیسر کبیر احمد جائسی لکھتے ہیں:

''علاوہ برایں انھوں نے صرف تذکروں میں درج شعراء کے کلام کا مطالعے تک ہی اپنے کو محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے لئے متعدد مقامات کے سفر کر کے وہاں کے کتب خانوں سے بھرپور استفادہ بھی کیا اور جہاں تک ہوسکا، وہاں کے محفوظ شعراء کے دواوین کا غائر نظروں سے مطالعہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو لکھنے کی تیاری مولانا عبدالسلام ندوی نے دارالمصنفین کے قیام کے بعد ہی شروع کر دی تھی اس قیاس کو تقویت 'معارف' کے بعض مندرجات سے پہونچتی ہے۔ ستمبر ۱۹۱۸ء کے شذرات میں مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف کے قارئین کو یہ اطلاع دی ہے ''مولانا عبدالسلام ندوی شعرالہند کی خاطر کتابخانوں کی خاک چھان رہے ہیں، اسی سلسلہ میں وہ بھوپال بھی پہونچے'' جنوری ۱۹۲۳ء کے معارف ہی کے ذریعے یہ اطلاع ملتی ہے کہ شعرالہند کی جلد اول شایع ہوگئی ہے۔ ہمارے محتاط اندازے کے مطابق آٹھ برسوں کی محنت کے بعد یہ کتاب منظر عام پر لائی گئی ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ شعرالہند کی تیاری کے دوران انہوں نے ''سیرتِ عمر بن عبدلعزیز''، ''اسوۂ صحابہ'' اول و دوم، ''اسوۂ صحابیات''، ''ابنِ یمین''، تاریخ الحرمین الشریفین ''اور فطرتِ نسوانی''، جیسی کتابوں کو لکھنے کا وقت کیسے نکال لیا اور ان سب کو شایع بھی کروا دیا۔ یہاں یہ تذکرہ بھی نامناسب نہ ہوگا کہ جس سال شعرالہند جلد اول شایع ہوئی تھی اسی سال ان کی کتاب ''فقرائے اسلام'' بھی شایع ہو کر منظرِ عام پر آئی تھی۔ (ص:۵۶)

شعرالہند'' اردو کی نہایت معروف، مقبول اور متداول کتاب ہے۔ شعرالہند میں بہت سے پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا ہے، بہت سے پہلوؤں سے اغماض برتا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ''شعرالہند'' تنقید کی ایک اہم کتاب ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے شعرالہند کی تالیف کے دوران، مقدمۂ شعروشاعری، کاشف الحقائق اور موازنۂ انیس و دبیر کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھا۔ صاحبِ شعرالہند لکھتے ہیں:

''ہم ان تمام ماخذوں (مقدمۂ شعروشاعری، کاشف الحقائق، اور موازنۂ انیس و دبیر) کو پیشِ نظر رکھ کر اردو شاعری کے تمام اصناف پر ایک مفصل تنقید کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس سے پہلے اردو شاعری کے تمام انواع و اصناف پر تاریخی حیثیت سے ایک عام نگاہ ڈالنا مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ ہر دور کی خصوصیات معلوم ہو سکے کہ اردو شاعری کے کس دور میں ان اصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور کس دور میں ان کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔''

(ص:۵۸)

پروفیسر کبیر احمد جائسی نے شعرالہند کی تائید و تردید میں لکھنے والوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''شعرالہند کو شایع ہوئے پون صدی سے زیادہ کا زمانہ گزر چکا ہے مگر اردو ادب کے طالب علموں ہی میں نہیں بلکہ استادوں میں بھی اس کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ آج بھی اس کتاب سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد دوسری کتابوں سے استفادہ کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ کتاب جتنی متداول اور مقبول ہے اتنی ہی اس پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ اس پر تنقید کرنے والوں میں بابائے اردو مولوی عبدالحق، نیاز فتحپوری، نصیرالدین ہاشمی اور کلیم الدین احمد کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ''مؤلف نے اپنی کتاب میں شعر سے بحث کی ہے اور شاعر اور اس کے عہد کو چھوڑ دیا ہے، اس لئے یہ کتاب ہر جگہ تشنہ نظر آتی ہے۔'' نیاز فتحپوری کے نزدیک ''شعرالہند تنقید کے صحیح اصولوں سے ہٹی ہوئی ہے جو تنقید کا بدترین عیب ہے۔'' مزید براں ۱۹۶۲ء کے نگار لکھنؤ کے اپنے ایک مضمون میں نیاز فتحپوری یوں معترض ہیں کہ ''انھوں (مولانا عبدالسلام ندوی) نے زیادہ تر اپنے معیار کے لحاظ سے تنقید کی ہے اور شاعر کے حقیقی رنگ پر اس کے رنگ کی خصوصیات کے لحاظ سے کم غور کیا ہے۔'' کلیم الدین احمد کے اعتراضات کی فہرست خاصی لمبی ہے، ان کے اعتراضات کا لبِ لباب ان کے اس جملے میں سمٹ کر آ گیا ہے ''کہیں بھی ایک تنقیدی

جملہ نہیں ملتا۔'' نصیرالدین ہاشمی کا اعتراض یہ ہے کہ حیدرآباد کے دربار میں اردو شاعری کو جو ترقی ہوئی، اس پر شعرالہند میں ضرور روشنی ڈالنی چاہئے تھی۔ اس اعتراض کے باوجود انھوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ''خاص طور پر یہ امر غنیمت ہے کہ اس کے مؤلف نے دکن کو قابلِ لحاظ سمجھا۔''

ان ناقدوں کے جان لینے کے بعد ایک نظر اس پر بھی ڈال لینی چاہئے کہ خود مصنف نے اپنی کتاب کن خطوط پر ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ مولانا نے تحریر فرمایا ہے:

''کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ شاعری کے چار دور قرار دیئے ہیں، اور بہ ترتیب پہلے دور میں قدما کی شاعری کے تاریخی انقلابات وتغیرات کو نمایاں کیا ہے، اس کے بعد متوسطین کے دور کو لیا ہے، جس میں لکھنؤ کی شاعری کا آغاز ہوا ہے اور دلّی اور لکھنؤ کی شاعری کا آغاز ہوا ہے اور دلّی اور لکھنؤ کے دو اسکول قایم ہو گئے ہیں، اس لئے اس دور کی اصلاحات وتغیرات کے ساتھ دلّی اور لکھنؤ کی امتیازی خصوصیات اور اس دور کے مختلف اساتذہ.....اور ان کے تلامذہ کی شاعری پر ایک مفصل بحث کی ہے پھر متاخرین کے دور کو لیا ہے اور اس دور میں لکھنؤ کی شاعری میں جو انقلاب پیدا ہوا ہے اس کی تفصیل کی ہے۔ سب کے اخیر میں دور جدید کا ایک عنوان قایم کیا گیا ہے، جس میں شعرائے حال کے کارناموں کو بہ تفصیل بیان کیا ہے۔'' (ص:۵۶)

شعرالہند کی تنقید کے نمونے:

۱۔ ''میر صاحب کے سوز وگداز کی ایک فلسفیانہ وجہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ فطرتاً شگفتہ مزاج، ہنس مکھ اور خندہ جبین پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ان کو دنیا میں مسرت ہی مسرت نظر آتی ہے۔ فارسی شعراء میں حافظ اور خیام اسی قسم کے لوگوں میں شامل تھے، لیکن بعض لوگ فطرتاً ازل ہی دے دردمند دل لے کر آتے ہیں اور ان کو دنیا میں ہر جگہ مصیبت ہی مصیبت نظر آتی ہے، میر صاحب اسی دوسری قسم کے لوگوں میں تھے۔''

(جلد اول، ص:۵۵، اشاعت ۱۹۸۱ء)

۲۔ ''حسنِ معانی کے ساتھ غالب کا کلام حسنِ الفاظ، حسنِ بندش اور حسنِ ترکیب کا بھی بہترین نمونہ ہے، وہ ایک مضمون آفریں اور معنی بند شاعر ہیں، لیکن باایں ہمہ ناسخ کی طرح کبھی بھدّے ثقیل اور گراں الفاظ نہیں استعمال کرتے، بلکہ ان کی بعض غزلیں فصیح، سلیس رواں اور شستہ الفاظ کا بہترین نمونہ ہوتی ہیں۔ (جلد اول، ص:۲۶۳، اشاعت ۱۹۸۱ء)

۳۔ ''دور جدید کی غزل گوئی قدماء اور متوسطین اور متاخرین کے زمانے سے بہت زیادہ شائستہ اور مہذب ہے۔''

(جلد ۲، ص:۳۳۰، اشاعت ۱۹۵۴ء)

۴۔ ''دور جدید کے شعراء کی نعتیہ نظمیں قدما اور متاخرین کی نعتیہ نظموں سے زیادہ پُرعظمت، زیادہ متین اور زیادہ مؤثر ہیں۔''

(جلد ۲، ص:۳۳۰، اشاعت ۱۹۵۴ء)

''خدا کے وجود پر ارسطو نے حرکت سے استدال کیا تھا، متکلمین حدوث سے استدالال کرتے ہیں، لیکن خود خدا نے قرآن مجید میں نظامِ عالم کی ترتیب وتناسب سے اپنے وجود پر استدال کیا ہے اور ہمارے شعراء نے ان تمام دلائل کی طرف اشارات کئے ہیں۔''

(جلد ۲، ص:۲۸۲، اشاعت ۱۹۵۴ء)

مولانا عبدالسلام ندوی کا شاہکار ادبی کارنامہ ''شعرالہند'' ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اردو ادب میں 'شعرالہند' کی انتقادی حیثیت مسلم ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، شبلی کالج میگزین کے مولانا عبدالسلام ندوی نمبر ۱۹۵۸ء میں لکھتے ہیں:

''وہ جب اردو شعر وشاعری پر لکھنے بیٹھتے تو ان کا قلم طاؤس کی طرح رقص کرنے لگتا، ان کی شعرالہند اردو زبان کی مایہ ناز تصانیف میں سے

ہے،اور یہ اسی صف میں رکھے جانے کے لائق ہے، جہاں آبِ حیات، مقدمۂ شعروشاعری اور شعرالعجم رکھی جاتی ہے۔آخرالذکر تینوں کتابوں کے علمی و ادبی پایہ کو کم کرنے کی خاطر خدا جانے کتنی قلمی یلغاریں ہوئیں،لیکن یہ پھر بھی اردو کے ادبِ عالیہ میں شمار ہورہی ہیں۔اسی طرح شعرالہند پر بھی تنقید و تنقیص کی چنگاریاں برابر برسائی جارہی ہیں۔لیکن اس کے باوجود یہ کہنے میں تامل نہیں کہ یہ چمنستانِ اردو کا سدابہار پھول ہے۔خود مولوی صاحب کو اس کا احساس رہا کہ اس کتاب کو اپنے موضوع کے لحاظ سے مکمل نہیں کہا سکتا کہ انسان کا کوئی بھی کام مکمل نہیں۔لیکن ہر زمانے میں اربوبِ نظر کو رم بابو سکسینہ مؤلف تاریخِ ادبِ اردو کی اس رائے کی تائید کرنی پڑے گی کہ:

''شعرالہند میں جو نظم اردو کی ایک مبسوط تاریخ ہے،ان اثرات وحالات جو مختلف اوقات میں نظمِ اردو پر مرتب ہوئے۔مفصل اور نہایت کو بی سے بیان کیا گیا ہے۔اپنی نوعیت میں یہ کتاب بہت عمدہ اور قابلِ تعریف ہے۔اور اس کتاب کو تصنیف کر کے مصنف نے فی الحقیقت زبان اردو کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔یہ کتاب کارآمد اور مفید ضرور ہے۔اور اس میں خاص خاص باتیں ایسی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں۔''

(تاریخ ادبِ اردو، ص؛۷۵۔۷۶)

شعرالہند کی دونوں جلدیں ۹۰۴ صفحوں پر مشتمل ہیں۔لیکن اس ضخیم کتاب میں شروع سے آخر تک تحریر کی ایسی یک رنگی، ہمواری اور روانی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کو خوش خرام قلم چلا تو چلتا گیا،کہیں رکا نہیں اور کسی موقعہ پر لکھتے وقت ان کے ذہن پر بار نہیں پڑا،اس لئے ان کی تحریروں میں لفظی کاریگری اور ادبی ملمع سازی نہیں، بلکہ ہر جگہ بڑی بے ساختگی، برجستگی اور سبک روی ہے۔(بزمِ رفتگاں:حصۂ اول ۳۵۱۔۳۵۲)

''شعرالہند'' مولانا عبدالسلام ندوی کی اہم تصنیف ہے۔مولانا عبدالسلام ندوی کا تعارف ادبی حلقوں میں صاحبِ شعرالہند کی حیثیت سے ہوتا ہے۔اپنے موضوع،مواد اور متوازن تنقیدی آراء کی وجہ سے یہ مولانا عبدالسلام ندوی کی نمائندہ تصنیف ہے۔سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بجا لکھا ہے کہ:

''شعرالہند'' کو امتیازی حیثیت اس لئے بھی حاصل ہے کہ اس کی اشاعت سے پہلے اردو میں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی،جس میں اردو شاعری اور اس کے مختلف اصناف کے ارتقاء پر علل واسباب کی روشنی میں مبسوط مباحث ہوں۔اور پھر ان مباحث میں فکر وفن کی جو دیدہ وری ہے،وہی دراصل سب سے قابلِ قدر چیز ہے۔اس کتاب کی اشاعت کے بعد اردو شاعری پر چھوٹی بڑی کتابیں نکلتی جارہی ہیں۔لیکن اس کو اولیت اس لئے حاصل ہے کہ اس میں جو مؤرخانہ اور مبصرانہ مباحث ہیں،وہ اس سے پہلے کسی اور کتاب میں نہیں ہیں۔اور کوتاہ نظری کو راہ نہ دی جائے تو کہنا پڑے گا کہ شعرالہند اردو کی ان چند کتابوں میں ہے جن سے بعد کی نسلوں نے اردو شاعری پر مبصرانہ بلکہ ناقدانہ بحث کرنا سیکھا۔(بزمِ رفتگاں-ص:۱/۳۵۳)

☆☆☆